© rasailojaraid.com

تقدیر کے اسرار

قرآن کریم کی روشنی میں

عبدالرحمن السلفی ماموں کانجن
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

تقدیر پر صحیح ایمان ایک ایسا انمول ہیرا ہے، جسے حاصل کر لینے سے انسان غموں و پریشانیوں سے نجات پالیتا ہے۔ غرور وتکبر جیسی لعنت سے محفوظ ہو جاتا ہے، کیونکہ اسے علم ہو جاتا ہے کہ یہ تکلیف اور پریشانی ضرور مجھ پر آ کر رہنی تھی۔ تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا۔ مزید پریشان ہونے کا کیا فائدہ؟ وہ یہ بھی سمجھ لیتا ہے کہ شاید اس مشکل ومصیبت میں کوئی ایسا راز مضمر ہو، جو میرے لئے باعث سعادت بن جائے، نیز اسے پورا یقین ہوتا ہے، جو نعمت اور خوشی حاصل ہو رہی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں لکھ رکھی تھی، لازی مجھے مل کر رہنی تھی، لہٰذا اس کے حصول پر تکبر کرنے اور اترانے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے مزید نعمتوں کے حصول کیلئے سجدہ ریز ہوتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے۔

قارئین کرام! تقدیر کے راز کے متعلق دلچسپ معلومات ہیں، پڑھنے کے بعد عمل کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ عبدالرحمن سلفی

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده:

مسئلہ تقدیر (قضاء وقدر) ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق ہر انسان کے ساتھ ہر زمانہ میں رہا ہے اور رہے گا۔ یہ مومنوں کیلئے ان کے حقیقی ایمان کا لازی جز ہے۔ رسول کریم ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الاخر وتؤمن بالقدر خيره وشره (سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی القدر حدیث ۴۶۸۱)

''کہ تو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور تو ایمان لائے تقدیر پر، اچھی پر، بری پر۔''

یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایمان بالقدر بیان کرتے وقت لفظ ''تؤمن'' دوبارہ ذکر کیا ہے، تاکہ ایمان کے اس قسم ''تقدیر'' کی اہمیت واضح ہو جائے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں، قضاء سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہی علم تھا کہ کائنات کے وجود میں آتے وقت اس کی کیا حالت ہوگی اور قدر سے مراد وہ گھڑی یا وقت ہے، جس وقت کائنات کی کوئی بھی چیز وجود میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے ہی علم ہوتا ہے۔ کچھ دوسرے اہل علم پہلی حالت کو قدر اور دوسری کو قضاء کہتے ہیں۔ ہم بھی اس دوسرے قول کی طرف مائل ہیں۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ کا ایک فرمان اس طرح ہے:

ان الله قدر المقدورات قبل ان يخلق السموت والارض بخمسين الف سنة.

''یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہی لگا لیا تھا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وكل شيء عنده بمقدار (سورۃ الرعد:۸)

''ہر چیز اندازے (تقدیر) کے مطابق ہے۔''

بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان:

ان كل شيء خلقناه بقدر (سورۃ القمر ۴۹)

''یقیناً ہم نے ہر چیز کو مقرر اندازے (تقدیر) پر پیدا کیا ہے۔''

امتحان اور آزمائش کے طور پر اللہ تعالیٰ کا کسی شخص کو کچھ دے دینا یا اس سے کچھ لے لینا بھی تقدیر ہے۔ وہ لوگ غلطی پر ہیں جو صرف تقدیر کی حالت شر کو ہی تقدیر کہتے ہیں۔ جب کسی کو مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں، یہ تقدیر ہے۔ اس کے مقدر میں ایسے ہی لکھا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو غافل ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ پتا نہیں ہوتا کہ یہ بھی تقدیر ہے، مسئلہ بہت واضح ہے، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے دونوں پہلو اپنے فرمان تؤمن بالقدر خيره وشره میں بیان فرما دیئے ہیں۔ لہٰذا تقدیر انسان کی دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ جس طرح انسان سے کچھ لے کر آزمائش کا نام تقدیر ہے، اسی طرح اسے امتحان اور آزمائش کے طور پر کچھ دینے کا نام بھی تقدیر ہے۔ دونوں حالتوں میں آزمائش تقدیر کا ایک نمایاں پہلو ہے اور یہی حقیقی ایمان کا اصل مرجع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الم احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا آمنا وهم لا يفتنون ٥ ولقد فتنا الذين من قبلهم (سورۃ العنکبوت ۱۔۲)

''کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ محض صرف یہ کہنے سے ہم ایمان لے آئے، چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے، ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے۔''

مسئلہ تقدیر پر بات چیت رسول کریم ﷺ کے دور نبوت کے ابتداء میں ہونا شروع ہوگئی تھی۔ لیکن آپ ﷺ حسب مصلحت مسئلہ تقدیر کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کبھی تو اس کے متعلق بالکل خاموش رہتے، بلکہ دوسروں کو بھی بات کرنے سے منع کرتے اور کبھی اس کے متعلق سائل کی بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سن کر جواب دے دیتے تھے۔

پہلی صورت کی مثال:

رسول کریم ﷺ ایک دن باہر نکلے۔ کچھ لوگوں کو تقدیر کے متعلق بات کرتے ہوئے سنا۔ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' یہ بات سن کر آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے' چہرہ مبارک سرخ ہوگیا' گویا کہ آپ ﷺ کے چہرے پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ فرمانے لگے' تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ قرآن کے بعض حصے کو دوسرے سے مار رہے ہو' اسی سبب سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایسی باتیں کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ یا مجھے تمہارے پاس ایسی بحث کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے؟ تم سے پہلے لوگوں نے جب مسئلہ تقدیر میں جھگڑا کیا' تباہ ہو گئے۔ خبردار! اس مسئلہ میں جھگڑا مت کرو۔ (مسند احمد جامع الترمذی)

اس حدیث سے پتا چلا کہ مسئلہ تقدیر پر صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہی بات نہ ہوئی بلکہ پہلی امتوں میں بھی اس پر بات ہوتی رہی ہے۔ امت محمدیہ میں اس بات کا ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں' کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق ہر انسان کے ساتھ ہے۔ بلکہ اس کا تعلق تو انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے ساتھ ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچپن کی زندگی سے لے کر مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک تمام مراحل سے اس مسئلہ کا تعلق ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے اپنی امت کی توجہ راہ نجات کی طرف دلائی ہے اور ان مہلک راستوں سے دور رہنے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے' جن راستوں پہ چل کر اسلام سے پہلی امتیں تباہ ہوئی ہیں۔

دوسری صورت کی مثال:

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا' کیا اہل جنت کی اہل جہنم سے پہچان ہوگئی ہے' یعنی کیا معلوم ہو چکا ہے کہ جنتی کون ہے اور جہنمی کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اس کا علم ہو چکا ہے۔ پھر عرض کیا گیا لوگ کس لئے عمل کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا عمل کرو' ہر شخص جس کیلئے بھی پیدا کیا گیا ہے' اس کے مطابق عمل اس کیلئے آسان کیا جاتا ہے۔ یہاں نبی کریم ﷺ اپنی امت کی توجہ کتاب وسنت پر عمل کی طرف دلاتے ہیں۔ یہ توجہ اس تقدیر کی روشنی میں ہے' جو ہر انسان کیلئے آسان کی گئی ہے۔

اس بات کا تو ہر شخص کو علم ہے جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا' جنت میں داخل ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا' جہنم میں جائے گا۔ پھر عقل کا تقاضا تو یہی ہے' کہ ہم اس علم کے مطابق عمل کریں اور ان امور میں شدت سے جھگڑا نہ کریں' جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مسئلہ تقدیر کے متعلق اسلامی فرقوں کی طرف سے آواز اٹھی ہے' جو ان کا موقف ٹھہری اور ایک واضح علامت بن کر دوسرے فرقوں سے اسے جدا کرنے والی ثابت ہوئی ہے۔ بہت سے نام سامنے آئے ہیں' مثلاً فرقہ تیسیریہ' تخییریہ' جبریہ' قدریہ یہاں تک کہ کچھ جرائم پیشہ لوگوں نے مسئلہ تقدیر کو جھوٹ اور بہتان سے اپنے جرائم کی دلیل بنالیا۔ مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک چور کو جب عدالت میں لایا گیا' اس سے پوچھا گیا کہ تو نے چوری کیوں کی ہے؟ (پوچھا اس لئے گیا شاید کسی شبہ کی بناء پر اس نے چوری کی ہو) تو حد سے بچ جائے۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں چوری لکھی تھی' لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر کے مطابق میں نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے تو پھر میرے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے لکھا تھا کہ تیرا ہاتھ کاٹ دوں۔ لہٰذا تقدیر کے مطابق تیرا ہاتھ کاٹ رہا ہوں' ہاتھ کاٹنے کے بعد کچھ مزید اس کی پٹائی کی۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا مزید سزا کیوں دی' تو فرمایا کہ ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹا اور مزید سزا اس لئے دی کہ اس نے تقدیر کا سہارا لے کر اللہ تعالیٰ پر بہتان لگایا ہے۔ لہٰذا تقدیر کا سہارا لے کر جرم نہیں کرنا چاہئے۔

سورۃ کہف میں تقدیر کے اسرار

لوگ ہوشیار اور خبردار ہو کر ذرا غور کریں تو انہیں ضرور معلوم ہو جائے' کہ قرآن کریم میں تقدیر کے راز اور اسرار موجود ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مقدس کتاب میں اسرار تقدیر کے قواعد وضوابط اور اصول بیان فرما دیئے ہیں' جن پر باقی تمام اسرار قیاس کئے جا سکتے ہیں۔ نیز غور کرنے سے عربی زبان کے ایک اہم اصول ﴿لو اطلعتم علی الغیب لاخترتم الواقع﴾ ''اگر تمہیں اپنی تقدیر کے متعلق غیب کا علم ہو بھی جائے' تم ضرور ہونے والا کام ہی اختیار کرو'' کی صداقت واضح ہو جاتی ہے۔

آؤ ذرا اسی مفہوم کو سورۃ کہف کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں اور اس مبارک سفر کو پوری توجہ سے طے کریں۔ اس سورۃ کے ایک مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مبارک سفر کا تذکرہ ہے۔ یہ سفر اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے (تقدیر) سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگرانی میں یہ مبارک سفر ہوا' اس سفر کے آغاز میں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پورے ادب و احترام' عاجزی و انکساری کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام سے سوال کرتے ہیں:

﴿هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا﴾ ''کیا میں آپ کے ساتھ اس لئے چل سکتا ہوں' کہ آپ مجھے سکھا دیں اس مفید علم میں سے جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔''

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا ﴿انک لن تستطیع معی صبرا و کیف تصبر علی ما لم تحط به خبرا﴾ ''تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتا' جن خبروں کا تجھے علم نہیں' ان پر تو صبر کر بھی کیسے سکتا ہے۔''

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے انہیں عدم صبر کا الزام نہیں دیا' بلکہ شروع سفر میں ہی بتا رہے ہیں' کہ آئندہ کچھ ایسے امور پیش آنے والے ہیں' اگر انہیں موسیٰ علیہ السلام اصل راز ظاہر ہونے سے پہلے دیکھ لیں تو خاموش نہ رہ سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا:﴿ستجدنی ان شاء الله من الصبرين﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔'' اس گفتگو کے بعد قرآن کریم تین مثالیں پیش کرتا ہے' میرے خیال میں یہ تین مثالیں تقدیر کے ان تمام پہلوؤں کو شامل ہیں۔ جن سے انسانی زندگی کا تعلق ہے۔ خاص کر حالت تنگی میں۔

پہلی مثال میں مال کی کمی یعنی مالی نقصان کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً تجارت کا خسارہ واقع ہونا' کسی حادثہ وغیرہ میں گاڑی کا تباہ ہو جانا' کسی چیز میں لگایا ہوا پیسہ ضائع ہو جانا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے' جس سے انسان کو تکلیف اور پریشانی ہوتی ہے' لیکن اگر اس حقیقت کا پتہ چل جائے' راز سے وہ پردہ اٹھ جائے تو اس کی تکلیف آرام میں بدل جائے' پریشانی خوشی میں بدل جائے اور بندہ شکر ادا کرنے لگ جائے اور اللہ تعالیٰ کو بڑی چاہت کے ساتھ پکارنے لگ جائے۔ ایک کشتی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سوار ہوتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام اس کے ایک پھٹے کو اکھیڑ دیتے ہیں' جس سے کشتی میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے کی نظر میں بلاوجہ یہ کشتی عیب دار کر دی گئی' اس بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا وعدہ بھول جاتے ہیں' بلکہ اس عجیب وغریب تقدیری حادثے نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کیا ہوا وعدہ بھلا دیا' فرمانے لگے:

﴿اخرقتها لتغرق اهلها لقد جئت شيئا امرا﴾ ''آپ کشتی توڑ رہے ہیں' تاکہ کشتی والے ڈوب جائیں' آپ نے تو بڑا خطرناک کام کر دیا۔''

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:﴿الم اقل انک لن تستطيع معی صبرا﴾ ''آپ کو میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:﴿لا تؤاخذنی بما نسیت ولا ترهقنی من امری عسرا﴾ ''ایسی بات پر مؤاخذہ نہ کریں' جو بات میں بھول گیا ہوں اور میرے معاملے میں سختی نہ کیجئے۔''

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:﴿فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتی احدث لک منه ذکرا﴾ ''اگر آپ میرے ساتھ چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو کسی چیز کے متعلق نہ پوچھنا' جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کر دوں۔''

تقدیر کے اسباب ظاہر ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ حالت تھی' لیکن راز ظاہر ہونے کے بعد یقیناً موسیٰ علیہ السلام کی حالت یہ ہوئی ہوگی کہ جو کام حضرت خضر علیہ السلام نے کیا کاش وہ کام خود کرتے۔ قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے:﴿سانبئک بتاویل مالم تستطع علیه صبرا اما السفینة فکانت لمساکین یعملون فی البحر فاردت ان اعیبها وکان وراءهم ملک یاخذ کل سفینة غصبا﴾ ''اب میں تجھے ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا' وہ کشتی تو ان چند مسکینوں کی تھی' جو دریا میں کام کرتے تھے' میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا' کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا۔''

ادھر سمندر کے کنارے بندرگاہ پر ایک ظالم بادشاہ تھا' جو ہر صحیح سالم کشتی ظلم وزیادتی سے اپنے قبضہ میں کر لیتا تھا' اگر کسی کشتی والے بھاگنے کی کوشش کرتے' ضرور ان کا تعاقب کر کے تکبر سے انہیں پکڑ لیتا تھا۔ اگر یہ کشتی صحیح سالم رہتی' جبکہ ان مسکینوں کا سارا مال ہی یہی کشتی تھی' گویا سب مال ہی ان کا ضائع ہو جاتا۔ اب کشتی میں عیب کی وجہ سے جو خسارہ ہوا ہے' اس نے باقی کشتی بچا لی۔ جس کے ذریعہ وہ اور کما سکتے ہیں' اب آپ ہی بتائیں اس راز کے ظاہر ہونے کے بعد انسان کون سی چیز اختیار کرے گا' سارے مال کا ضیاع یا پھر مال میں کچھ نقص پسند کرے گا' جس سے باقی مال بچ جائے گا۔ یقیناً ہم دوسری صورت کو ہی پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم سب کا اختیار تقدیر کے عین مطابق ہوا۔

دوسری مثال میں ایک جان کے ضائع ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی انسان اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو گم پاتا ہے' مثلاً اس کا باپ' بھائی یا کوئی دوست فوت ہو جاتا ہے یا انسان کا اپنا ایک عضو کٹ جاتا' حواس خمسہ میں سے کوئی چیز بے کار ہو جاتی ہے' یا پیدائشی طور پر ایک عضو کم ہوتا ہے' یہ ایک ایسی حالت ہے' جس پر لوگ افسوس کرتے ہیں' روتے ہیں' لیکن اگر انہیں ان اشیاء کے گم ہونے کے راز کا پتہ چل جائے تو بلاشک ان کا موقف یکسر بدل جائے۔ قرآن کریم اس مقام پر ایک دل ہلا دینے والا حادثہ بیان کرتا ہے:

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چند بچوں کے پاس جاتے ہیں' جو آپس میں کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے کو پکڑ کر حضرت خضر علیہ السلام قتل کر دیتے ہیں' سر تن سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس عجیب حالت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کر دیا' اس مرتبہ پہلے کی طرح بھولے نہیں بلکہ حادثہ کی ہولناکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجبور کر دیا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے اس فعل کو برا جانے اور اس کا اظہار اس کے سامنے کریں۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قال اقتلت نفسا زكية بغير نفس لقد جئت شيئا نكرا فانطلقا حتى اذا لقيا غلما فقتله قال الم اقل لك انك لن تستطيع معي صبرا قال ان سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني قد بلغت من لدني عذرا (الكهف ٧٤-٧٦)﴾ ''پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے جا ملے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی قصاص کے مار ڈالا۔ یقیناً آپ نے بڑی ناپسندیدہ حرکت کی ہے' وہ کہنے لگے میں نے تم سے نہیں کہا تھا' تم میرے ساتھ چل کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر اب اس کے بعد کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو بے شک اپنے ساتھ نہ رکھنا' اب میری طرف سے آپ حد عذر کو پہنچ گئے ہیں۔''

اس حادثہ کا تعلق صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی نہیں' وہ وقت ذرا ذہن میں لائیں' جب اس بچے کے والدین اپنے اس اکلوتے بیٹے کے قتل کی خبر سنیں گے' تو ان کی کیا حالت ہوگی۔ یقینی بات ہے کہ اسے بری تقدیر سمجھیں گے۔ لیکن اللہ کی قسم! مجھے بتاؤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کیا کیفیت ہوتی جب انہیں اس راز کا پتہ چلتا کہ اگر یہ بچہ زندہ رہتا تو کفر کی حالت میں جوان ہوتا اپنے والدین کو بھی کافر کر دیتا' لیکن اب تو وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی مر گیا۔ اگر اللہ نے چاہا تو اہل جنت سے ہوگا اور اس کے والدین بھی ایمان پر زندگی گزار سکیں گے' تا کہ وہ بھی جنتی ہو جائیں۔ بعض مفسرین نے یہ بات ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچے کے بدلہ میں ان کو ایک بیٹی عطا فرمائی' جس کی اولاد سے بہت نبی پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

﴿فاما الغلام فکان ابو اہ مؤمنین فخشینا ان یرھقھما طغیانا و کفرا فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منہ زکوۃ واقرب رحما (۸۰-۸۱)﴾ ''اس لڑکے کے والدین ایماندار تھے' ہمیں خوف ہوا کہیں انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز اور پریشان نہ کر دے' اس لئے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلہ میں اس سے بہتر پاکیزگی والا' اس سے زیادہ پیار محبت والا بچہ عطاء فرمائے۔''

عین ممکن ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس راز کا پتہ پہلے چل جاتا تو ضرور وہ خضر علیہ السلام کے ساتھ بچے کے قتل میں شرک ہوتے۔

تیسری مثال وقت ضائع ہونے میں تقدیر کے راز کی طرف اشارہ ہے' مثلاً ظاہری شکل میں وقت ضائع ہو رہا ہوتا ہے' کوئی فائدہ نظر نہیں آتا' مطلوبہ اجرت نہیں ملتی' ایک طالب علم بڑی محنت سے پڑھتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت سے امتحان سے کچھ ہی پہلے کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے' خدانخواستہ وہ فیل ہو جاتا ہے' اس سے قبل اس نے کئی دن رات اسباق کی دہرائی میں گزارے ہوتے ہیں' اس طرح ایک انسان جہاز کا انتظار کر رہا ہوتا ہے' تا کہ اسے مطلوبہ جگہ لے جائے' کچھ ایسے کام آڑے آ جاتے ہیں' کہ اسے دگنا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ہم سے نا چاہتے ہوئے کتنے اوقات ضائع ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی کاموں کے انتظار میں ہمیں سوائے مشقت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا' ایسے حالات میں کچھ لوگ ہتھیلیاں ملتے رہتے ہیں' ان پر خاموشی طاری رہتی ہے۔ چہروں پہ غم کے آثار نظر آتے ہیں' لیکن اگر انہیں غیب کا علم ہو جائے' اس ضائع وقت کے رازوں کا علم ہو جائے تو پھر یہی لمحات جو غمگینی میں گزر رہے ہیں' خوشی وسعادت کے سانس بن جائیں اور انہیں پتا چل جائے کہ یہ تو ہمارے اوپر سمیع و بصیر رب کی عظیم کرم نوازی ہے۔ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام ایک گاؤں میں جاتے ہیں' گاؤں والوں سے کھانا طلب کرتے ہیں' وہ کھانا دینے سے انکار کرتے ہیں' وہ بخیل اور کمینی قوم تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام کی نظر وہاں ایک ٹیڑھی دیوار پر پڑی جو گرنا ہی چاہتی تھی' اسے ٹھیک کرنے لگ گئے۔ اس کی بنیادیں بہت مضبوط بنائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ماجرا بہت عجیب لگا اور سوال کر دیا کہ اس گاؤں والوں سے دیوار کی درستگی کی اجرت ہی مانگ لیتے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں ان کا بخل اور کمینہ پن موجود تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام یہ بات سن کر کہنے لگے ﴿ھذا فراق بینی و بینک (۷۸)﴾ ''بس یہ سوال میرے اور تیرے درمیان جدائی کا سبب ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فانطلقا حتی اذا اتیا اھل قریۃ استطعما اھلھا فابوا ان یضیفوھما فوجدا فیھا جدارا یرید ان ینقض فاقامہ قال لو شئت لا تخذت علیہ اجرا (۷۷)﴾ ''پھر دونوں چلے ایک گاؤں کے پاس آ کر گاؤں والوں سے کھانا طلب کیا' انہوں نے مہمان نوازی (کھانا دینے) سے صاف انکار کر دیا' دونوں نے وہاں ایک ایسی دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی' حضرت خضر علیہ السلام نے اسے درست کر دیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔''

اس واقعہ کا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے راز ظاہر ہوا کہ یہ دیوار اس گاؤں کے دو یتیم نابالغ بچوں کی ملکیت تھی اور انہیں ابھی تک اپنے مال کی حفاظت کی سمجھ بوجھ نہ تھی۔ اگر دیوار گر جاتی تو اس کے نیچے مدفون خزانہ ظاہر ہو جاتا جوان کیلئے ان کے نیک والد نے چھپا رکھا تھا کہ وہ جوان ہو کر اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر دیوار گر جاتی تو اس بستی کے بخیل لوگ ظلم و زیادتی سے وہ خزانہ سمیٹ لیتے' لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کا وقت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں بلا فائدہ ضائع ہو رہا تھا۔ اس مال کی حفاظت میں صرف کرا دیا۔ ان دو یتیم بچوں کی خاطر جن کا والد بہت نیک تھا۔

اس وقعہ کے راز کو ظاہر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وامّا الجدار فکان لغلمین یتیمین فی المدینۃ و کان تحتہ کنز لھما و کان ابوھما صالحا فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما رحمۃ من ربک (۸۲) ''دیوار کا قصہ یہ کہ اس شہر میں دو یتیم بچے تھے جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن تھا ان کا باپ بڑا نیک تھا تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم بچے اپنی جوانی کی عمر میں آ کر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی و رحمت سے نکال لیں۔'' میرا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر شروع ہی میں اس راز کا پتا چل جاتا تو ضرور خود ہی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں پھر قرآن کریم نے اپنے فرمان ---- رحمۃ من ربک ---- میں اس بات وضاحت کر دی کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی رحمت ہوتی ہے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: وما فعلتہ عن امری ذلک تاویل مالم تسطع علیہ صبرا (۸۲) ''میں نے اس بات وضاحت کر دی کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی رحمت ہوتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام تو اس تقدیر کے اظہار کا سبب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنے ہیں اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: وما فعلته عن امری ذلک تاویل مالم تسطع علیه صبرا (۸۲) ''میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا یہ اصل حقیقت تھی ان واقعات کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے''۔ مذکورہ تینوں مثالوں پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے یہ تینوں مثالیں باقی تمام حادثات و واقعات کو شامل ہیں۔

عقل سے بہت بعید بات ہے کہ ایک شخص اپنے رب تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتا ہو اور پھر اپنے سے پیش آنے والے ہر واقعہ میں تقدیر کا راز تلاش کرتا پھرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان گذشتہ واقعات میں تقدیر کے اسرار ظاہر کر دیے انہی پر باقی واقعات کو قیاس کر لینا چاہیے یہ تینوں واقعات کلید کی حیثیت رکھتے ہیں اور دیگر جزوی واقعات ان کے تحت درج ہو سکتے ہیں مذکورہ واقعات میں قرآن کریم نے تقدیر کے کڑوے پہلو میں تقدیر کا راز بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان میں کچھ نہ کچھ انسانوں سے لیے جانے کا تذکرہ ہے یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں انسان ذہنی طور پر تکلیف محسوس کرتا ہے اور تقدیر کا ایک دوسرا پہلو جو اچھا اور میٹھا ہے ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے لیکن کچھ میں لوگ اس پہلو سے فائدہ اٹھا کر شکر گزار بنتے ہیں اور باقی پھر بھی ناشکری میں ہی مگن رہتے ہیں۔

تقدیر پر صحیح ایمان کے فوائد (۱) حقیقی مومن عبادت و عقیدہ میں اپنے رب کے بتائے ہوئے راستے پر بڑے اطمینان سے گامزن رہتا ہے۔ (۲) اپنے پروردگار کی طرف سے تمام اشیاء (نعمت و مصیبت) میں اس راستے کو نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر چلتا ہی رہتا ہے۔ (۳) عقیدہ میں قوت حاصل ہوتی ہے، اخلاق میں بلند مقام ملتا ہے۔ (۴) دین اسلام سے اس کا سر فخر سے بلند ہوتا ہے۔ (۵) پختہ یقین ہوتا ہے کہ ایک ہی اللہ تعالیٰ رزق، موت، نفع و نقصان کا مالک ہے تمام کائنات والے مل کر نفع دینا چاہیں تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے نہیں لکھا تو نفع نہیں مل سکتا اسی طرح اگر سب مل کر کسی کا نقصان کرنا چاہیں جو تقدیر میں نہیں لکھا تو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہو سکتا لہٰذا خالص بندگی صرف اللہ کی ہو گی کامل خشوع و خضوع، رزق دینے والے، نفع و نقصان پہنچانے والے اللہ تعالیٰ کیلئے ہو گا ایک شاعر کہتا ہے۔

لاتخضعن لمخلوق علی طمع
ان ذلک نقص منک فی الدین
لا یقدر العبدان یعطیک خردلة
بازن الذی سواک من طین
واسترزق اللہ مافی خزائنه
فان رزقک بین الکاف النون

ترجمہ: ''کسی بھی لالچ میں آ کر مخلوق کے سامنے نہ جھکنا یقیناً اس میں تیرا دینی نقصان ہے بندہ تو تجھے ایک رائی کے دانے کے برابر کوئی چیز دینے کا اختیار نہیں رکھتا مگر اس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کر کیونکہ تیرا رزق اس کے لفظ ''کن'' میں موجود ہے۔

رسول کریم ﷺ ایمان کی اس قسم تقدیر کو بہت سراہتے تھے اس کی بڑی تعریف کرتے تھے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عجبا لامر المومن ان امره کلة خیر ولیس ذلک لا حد الا لمؤمن ان اصابته ضراء صبر فکان خیرا له وان اصابته سراء شکر فکان خیر له۔ ''مومن کا معاملہ کیا ہی خوب ہے اس کا ہر حال بہتر ہے اور یہ بات سوائے مومن کے کسی کے نصیب میں نہیں اگر خوشی حاصل ہوتی ہے تو شکر گزار بنتا ہے یہ اس کیلئے بہتر ہے۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے متعلق تقدیر اور فیصلے اپنی کریمی کے لائق مہربانی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند و برتر ہے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ سب سے زیادہ مکرم و معزز ہے اور پھر ہمارے عظیم رہنما حضرت محمد ﷺ کی ذات، آپ کی آل اور تمام صحابہ پر سلامتی و نوازش کریں۔ آمین یارب العالمین

بقیہ: ایک آئیڈیل گھرانہ

رسول ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ بدر میں مسلمانوں کی قید میں آ جاتے ہیں۔ حضرت ابوالعاص کی آزادی کیلئے ان کی بیوی حضرت زینت بنت رسول اللہ ﷺ نے وہ ہار بھیجا جو رسول اللہ ﷺ کی پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کو دیا تھا۔ اس ہار کو دیکھ کر خود رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔ یہ عورتیں تو اپنی متاع عزیز بھی خاوند پر قربان کر دیتی ہیں۔

یہ عورتیں مجسمہ حب و وفا اور پیکر اخلاص ہیں، خاوند تو ایک بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت کو اپنی زوجیت میں لانے کا خواہش مند رہتا ہے لیکن یہ معصوم عورت خاوند کی محبت میں شراکت بھی گوارہ نہیں کرتی۔

اس کی غلطی ہو یا نہ ہو یہ اپنے خاوند کی جھڑکیاں گالیاں اور مار بھی برداشت کر لیتی ہے۔ جب کہ خاوند سے ایسی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ یہ عورتیں گھر سنوارتی ہیں اولاد کی تربیت کرتی ہیں، کیا یہ ایسی خوبیاں نہیں ہیں کہ ان اوصاف کی مالک ہستیوں سے دل و جان سے بڑھ کر محبت کی جائے؟ ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر کیا جائے؟

اگر یہ ساری خوبیاں کسی عورت میں نہیں ہیں تو اے انسان یہ عورت تیرے بچوں کی ماں تو ضرور ہے اپنے بچوں کی ماں کے تقدس کو ملحوظ رکھ۔ اسے بے وقار نہ ہونے دے۔

اور اے انسان اگر وہ تیرے بچوں کی ماں بھی نہیں تو تیری عزت و ناموس تو ضرور ہے، اپنی عزت و ناموس کو ذلت سے بچا اگر تو اپنی عزت و ناموس کی خود قدر نہیں کرے گا تو کسی سے قدر کی امید نہ رکھ۔

© rasailojaraid.com